منصور صفت گل*
فاطمہ فیاض (ترجمہ و حواشی)**

مجالسِ جہانگیری: مغل دور میں برصغیر کی درباری تہذیب کا ایک اہم ماخذ

Abstract:

Majālis-e Jahāngīrī: An Important Source for the Darbārī Culture of the Mughal India

Majalis-e Jahangiri[1] is a chronicle written by Abdus Sattar[2], a courtier of the Mughal emperor Jahangir. The book is based on the minutes of day-to-day proceedings of Jahangir's darbār. The table of contents mentions 122 sittings but the text contains 114. This article analyzes the content and themes of these sittings and highlights the important aspects such as literary, religious and jurisprudential debates. Of the debates mentioned in the book, the following has been discussed in this article: The debate between Christianity and Islam, defended by Jerome Xavier[3], the author of 'Āina-e Haq Numā[4] and Islamic scholars of Jahangir's court respectively.

Keywords: Akbar, Jahangir, Mughal Empire, Majalis-e Jahangiri, Jahangirnama.

ہندوستان میں مغل دورِحکومت، تہذیبی و معاشرتی اعتبار سے سنہری دور کہلاتا ہے۔اس دور کی تہذیب و ثقافت کے اجزائے ترکیبی میں بہت سی ایرانی خصوصیات شامل تھیں۔ ہندوستانی تاریخ اور بالخصوص مغلیہ عہد پر کثیر تعداد میں تحقیقات ہونے کے باوجود اس دور کی معاشرتی وتہذیبی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ابھی کثیر الجہت تحقیقی کاوشوں کی گنجائش باقی ہے۔ چند صدیوں پر محیط اس عہد کی ماحصل کتب، رسائل، دستاویزات اور دیگر خطی نسخوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے جن میں شائع شدہ متون کی تعداد سمندر کی نسبت قطرے کی ہے۔ اسی لیے اس عظیم الشان تہذیب کے متعلق کسی بھی متن کی تصحیح و اشاعت قابل تحسین اقدام ہے۔ مجالس جہانگیری کا شمار بھی ایسے ہی متون میں ہوتا ہے جو ہندوستان میں مغلیہ عہد کی درباری تہذیب کے آئینہ دار ہیں۔

مجالس جہانگیری کے بہتر متنی جائزے کے لیے اس دور کا تاریخی پس منظر مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ سیاسی اعتبار سے یہ دور اپنے سے قبل اکبری عہد (۱۵۵۶۔ ۱۶۰۵ء) کی روایات کا تسلسل ہے۔ البتہ جہانگیر (۱۶۰۵ - ۱۶۲۷ء) کا سیاسی رویہ عہدِ اکبری سے قدرے مختلف تھا۔ اکبر نے اپنے عہد حکومت میں سیاست وتمدن کو دین الٰہی اور صلح کل کے نظریات سے ہم آہنگ کیا۔ اس رویے نے کئی مخالفین کو جنم دیا جن میں خود اس کا ولی عہد اور جانشین جہانگیر بھی شامل تھا اور بالآخر یہی معاملہ جہانگیر کی اپنے والد کے خلاف بغاوت کا سبب بنا۔ عہدِ اکبری کی مذہبی رواداری، دربار اور اطراف کے بعض گروہوں کو پسند نہیں آتی تھی۔ جہانگیر نے پارسائی کا دعویٰ کرتے ہوئے والد کے خلاف انھیں بغاوت پر اکسایا۔ اگرچہ وہ بغاوت دب گئی لیکن دینِ الٰہی کے بعض طرف دار قتل ہو گئے جن میں رواداری کے فکری معمار، اکبری عہد کے مورّخ اور اس دور کے تہذیبی و مذہبی خدوخال تراشنے والے فنکار یعنی ابوالفضل[۵] (م:۱۶۰۲ء) بھی شامل تھے۔ اسی سبب سیاستِ جہانگیر عین مخالفت کے باوجود بعض جہتوں سے اکبری عہد کے بہت سے روایتی عناصر کی حامل تھی۔ مشہور کتاب مجالس المؤمنین[۶] کے مؤلف قاضی نوراللہ شوشتری[۷] (م:۱۶۱۰ء) کا قتل عہد جہانگیری کی اسی مذہبی انتہا پسندی کی مثال ہے۔ مجالس جہانگیری میں جہانگیر کو اعتدال پسند دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ البتہ انھی مجالس کا باریک بینی سے جائزہ لینے سے اس کی مذہبی شدت پسندی عیاں ہو جاتی ہے۔ جہانگیر، ان تمام دعووں کے باوجود یوں تھا کہ:

> ہماری ذاتِ مقدس مظہرِ کل ہے اور جیسے خدا کو اپنے سب بندوں سے سروکار ہے اور وہ ہر ایک کو اپنے سایۂ رحمت میں پالتا ہے، اسی طرح ہمیں بھی اس کے سب بندوں سے سروکار ہے۔ ہم لوگوں کے مذہب وملت سے قطع نظر کسی کو اپنی تربیت و پرورش کی رحمت سے محروم نہیں رکھتے[۸]۔

مجالس جہانگیری کا متن معمول کی وقایع نویسی نہیں ہے۔ گویا یہ متن کسی ایسے مؤلف کی تخلیق ہے جسے دربار اور جہانگیر کی مجالس میں تقرب حاصل تھا۔ کتاب کے متن سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ مصنف سرکاری (درباری) مجلس نویس تھے یا نہیں۔ دسویں صدی ہجری اور مابعد کے سلاطین، جیسے ایران میں صفوی بادشاہوں کے دربار میں تو مجلس نویسی کا منصب موجود تھا۔ البتہ ہندوستان میں اکبری و جہانگیری دربار کی دیوانی روایت میں مورّخ کو سرکاری حیثیت حاصل ہوا کرتی تھی۔ گویا جہانگیری عہد میں معتمد خان[۹] (م:۱۶۳۹ء) نامی ایک شخص ایسے منصب پر فائز تھا۔ مجالس کے مؤلف، عبدالستار، اپنا تعارف واقعہ نویس[۱۰] کے طور پر کرواتے ہیں لیکن موجودہ تحقیقات میں ان کے حوالے سے ایسے کسی منصب کا ذکر نہیں ملتا[۱۱]۔

عبدالستار کی تحریر سے گمان ہوتا ہے کہ جہانگیر نامہ[۱۲] میں بھی ان کی واقعہ نویسی سے ضمنی طور پر استفادہ کیا گیا ہے۔ پندرہویں مجلس میں مذکور ہے کہ جہانگیر مؤلف کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہماری اس جنت نظیر مجلس کے جو واقعات تم تحریر کر رہے ہو، تم اور اعتمادالدولہ [۱۳] [م:۱۶۲۲ء] باہمی اتفاق سے اس میں سے جو حصے بھی جہانگیر نامہ میں درج کرنے کے لائق سمجھو، خان اعظم [۱۴] [م:۱۶۲۴ء] کے علم میں لاؤ اور اگر خان اعظم اس لائق سمجھے تو ہماری جناب میں پیش کرے تا کہ جہانگیر نامہ میں درج ہو سکیں [۱۵]۔

جہانگیر کو تاریخ و ادب سے لگاؤ تھا اور جہانگیر نامہ گویا اس کی اپنی تحریروں میں سے ایک ہے۔

فہرستِ کتاب کے مطابق اس میں درج مجالس کی تعداد ۱۲۲ ہے لیکن متن میں ۱۱۴ مجالس موجود ہیں، گویا ۸ مجالس کا متن شامل نہیں ہے۔ لیکن (۱۰۱۷ھ-۱۰۲۰ھ/ ۱۶۰۸ء تا ۱۶۲۰ء) کے دورانیے میں تحریر شدہ مجالس کی یہ تعداد بھی دربار جہانگیری کی ثقافتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی قابل قدر معلومات فراہم کرتی ہے۔ ان مجالس میں زیر بحث لائے گئے موضوعات کی درج ذیل تقسیم بندی کی جا سکتی ہے:

- جہانگیر اور اس کے دربار کے صوفیانہ رجحانات اور صوفی مشائخ سے جہانگیر کی ارادت (جیسا کہ مجلس ۸۹ اور ۷۱) نیز اہلِ تصوف اور فلسفیوں کا باہمی تضاد
- مناظرہ اور ادبی بحث
- مذہبی مناظرہ (مجالس ۹۸، ۱۴، ۲۹، ۳۰، ۳۵، ۴۷، ۸۷، سنی شیعہ بحث کی مجالس ۳۱، ۴۷، ۵۲، ۷۶)
- فقہی و تفسیری مباحث (جیسا کہ مجلس ۵۰)
- کچھ سیاسی واقعات اور روزمرہ کی درباری سرگرمیوں کا ذکر۔
- ہندوستانی حکومت کے بیرونِ ملک معاملات (مجالس ۸۳، ۹۰، ۲۰۳، ۲۲۳)
- حاضرین مجالس کی قومیت شناسی: ایرانی، تورانی، ہندی اور انگریزی
- درباری عہدوں کا ذکر۔

مؤلف کے بقول یہ مجالس راتوں کو برپا ہوتیں لیکن ان کی زیب و آرائش درباری طور طریقوں کی عکاس ہے۔ اسی لیے یہ مجالس ہندوستان کی ''درباری تہذیب'' کا قابل توجہ نمونہ قرار دی جا سکتی ہیں۔ ان مجالس کو اکبری عہد کی تہذیبی اور کبھی مذہبی رواداری کا تسلسل شمار کرنا چاہیے۔ جہانگیر بعض مقامات پر خود کو ''مظہر کل'' کہلواتا اور غیر متعصب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے [۱۶]۔

جہانگیر کی درباری تہذیب کا محور فارسی زبان اور شاعری تھی۔ اس ضمن میں دیوان حافظ سے استفادے کا رواج اور حافظ (م:۱۳۹۰ء) اور سعدی (م:۱۲۹۱ء) کا موازنہ قابل توجہ ہے۔ فارسی شاعری کی مرکزیت کے باوجود قصیدے کی زیادہ پذیرائی نہ تھی [۱۷]۔

مجالس کا مؤلف دربار یا مجالس شبانہ کے مجلس نویس کے طور پر جہانگیر کا مداح ہے۔ وہ اپنے آقا کی بھرپور عقل مندی اور غیر معمولی فراست کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ سبھی گفتگوؤں میں جہانگیر حاضرین پر برتری لے جاتا ہےاور شاعری، مذہبی مباحث اور سیاسی مسائل میں اس کی رائے حرف آخر سمجھی جاتی ہے۔ وہ اس خوشامد میں اتنا بڑھ جاتا ہے کہ لکھتا ہے: ''حضرت [جہانگیر] کا فرمان، خدا کا فرمان ہے[18]۔''

ایک اور مقام پر افیون کے متعلق بحث چھڑتی ہے۔ ان مجالس میں افیون کا ذکر مکرر آتا ہے۔ ہم جانتے ہیں جہانگیر افیونی تھا اور اس کے درباری بھی افیون کے شدید عادی تھے۔ لگتا ہے مجالس کا مؤلف اس گروہ میں شامل نہ تھا۔ ان شبانہ گفتگوؤں میں ایک بار جہانگیر کو مؤلف یعنی عبدالستار کے زکام میں مبتلا ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ اسے حکیم کے سپرد کیا جاتا ہے جو افیون کو معالجے کے طور پر تجویز کرتا ہے۔اسی دوران افیون کے استعمال کی بات ہوتی ہے تو مؤلف اپنے افیونی نہ ہونے ذکر کرتا اور اپنے آقا سے اس معاملے میں توجہ چاہتا ہے۔ جہانگیر اسے دوبارہ حکیم کے حوالے کرتا ہے اور مؤلف سے کہتا ہے: ''ہم کیا کہیں۔'' لیکن عبدالستار سلطان سے قبول کروانا چاہتا ہے کہ اس کی بات حکیم کی بات سے برتر ہے، اسی لیے وہ اظہارِ عجز و نیاز میں مبالغے سے کام لیتا ہے۔

اس کتاب میں ایک اور قابلِ غور موضوع سیاسی گروہ بندی ہے جو مختلف مباحث کے دوران ظاہر ہوتی ہے۔ جہانگیر نے اکبری عہد کے اواخر میں مذہبی اختلافات کی بنیاد پر اپنے والد کے خلاف بغاوت کی لیکن تخت نشین ہونے کے بعد اکبری عہد کی بعض روایات کی پاسداری کی۔ اس کتاب میں درباریوں کے دو گروہوں کو اکبری اور جہانگیری[19] کا نام دے کر ان کے متعلق جہانگیر کی رائے بیان کی گئی ہے۔

اسی سبب کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کے اہم تر موضوعات میں سے ایک، ایران سے متعلق مباحث اور ان کی تکرار ہے۔ اس موضوع کی بہتر تفہیم کے لیے اس دور کے تہذیبی و سیاسی پس منظر پر نگاہ ڈالنی چاہیے۔ ہندوستان کے مغل بادشاہوں کا دربار اپنی اساس میں ایرانی تہذیب اور روشن خیالی کی روش پر عمل پیرا تھا۔ جہانگیری عہد میں یہ فضا ایرانی عناصر کی بھرپور موجودگی کے باعث مزید گہری ہوگئی۔ جہانگیر کی بیگم اور درباری ارا کین ایرانی تھے۔ وہ خود بھی ایرانی تہذیب سے بے حد متاثر اور اسی تہذیب و روایت کا پروردہ تھا۔ البتہ سیاسی منظر نامے کے اعتبار سے صورتِ حال مختلف تھی۔ اس دور میں ہندوستانی مغل بادشاہوں اور ایرانی صفوی بادشاہوں کے روابط محدود دوستی، رقابت، حسد، دشمنی اور جنگ پر مبنی تھے۔ اکبر و جہانگیر کے دور میں یہ فضا اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ ایران میں ان دو بادشاہوں کا ہم عصر شاہ عباس اول (م:۱۶۲۹ء) تھا جس

کی دانائی اور جنگی طاقت سے آراستہ حکومت نے ایران کو سیاسی استحکام بخشا۔ اس کے ساتھ وہ اپنے حکومتی دائرۂ کار کو قدیم حدود تک وسعت دینا چاہتا تھا اور یہی روش ان ہمسایوں سے کشمکش کا باعث بنی جن کے سرحدوں میں توسیع کے سلسلہ وار اور تاریخی دعوے کمزور تھے۔ جہانگیری عہد میں ایرانی افواج کی طرف سے قندھار پر دوبارہ تسلط (۱۶۴۹ء) دوطرفہ روابط میں کشیدگی کی بنیادی وجوہات میں سے ایک تھا۔ اسی لیے مجالس جہانگیری میں یہ دونوں موضوعات قابلِ غور ہیں۔

اس کتاب میں ایرانی تقویم کے رواج کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اگرچہ ہر مجلس کے عنوان میں قمری تاریخ کا اندراج ہے لیکن بعض مجالس کے متن میں ایرانی تقویم کا استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر "ماہ مہر الٰہی"[۲۰]، "امردادالٰہی"[۲۱] وغیرہ۔ حتیٰ کہ سکے رائج کرنے کی تواریخ بھی ایرانی تقویم میں بیان ہوئی ہیں: "آبان ماہ میں آگرہ میں سکہ رائج کیا"[۲۲]۔ یہ تقویم بھی اکبری روایات کا جزو تھی۔

جیسا کہ ذکر ہوا، ان مجالس کا کچھ حصہ ہندوستانی حکومت کے صفوی ایران سے سیاسی روابط کا عکاس ہے۔ یہ موضوع دو جہتوں سے قابلِ توجہ ہے:

الف: صفوی ایران اور شاہ عباس کی سیاست کو جس نکتہ نگاہ سے پیش کیا گیا ہے، وہ صفویوں کے لیے ہندوستان کی مخصوص سیاسی حکمت عملی کی نشان دہی کرتا ہے۔ سیاسی کشیدگی کی فضا میں یہ نکتہ نگاہ احساس برتری کا رنگ اختیار کر لیتا ہے، یہاں تک کہ ایک مجلس میں جہانگیر کے نام شاہ عباس کے خط کو "عریضہ"[۲۳] کہا گیا ہے۔ اس دور کی دیوانی اور دبیری روایت میں عریضہ کسی کم مرتبہ شخص کے بلند پایہ شخصیت کے نام خط کو کہا جاتا تھا۔ ایک اور حصے میں شاہ عباس کو ناخواندہ قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ شاہ عباس پڑھنا لکھنا جانتا تھا، حتیٰ کہ اس نے جہانگیر کو بہ ذاتِ خود خط لکھ کر ارسال کیا تھا[۲۴]۔ چنانچہ اندازہ ہوتا ہے کہ مجالس جہانگیری میں ایران کے متعلق جو معلومات دی گئی ہیں، وہ ہندوستان کی درباری فضا اور شبانہ مجلسوں کی کیفیات میں ڈھل کر الگ ہی منظر پیش کرتی ہیں۔ اسی متن میں ایک اور مقام پر شاہ عباس کا احترام آمیز ذکر ملتا ہے اور مصنف اسے دارائے ایران کا لقب دیتا ہے:

> مبارک دن تھا۔ دارائے ایران، شاہ عباس، کا ایلچی جو تخت نشینی کی مبارک باد اور حضرت عرش آشیاں [اکبر بادشاہ] کی رحلت کے پرسے کے لیے بھیجا گیا تھا، شرف یاب ہوا[۲۵]۔

شاہ عباس کے سفیر نے جہانگیر کو خط پیش کیا۔ صفوی بادشاہ نے جہانگیر کے اطمینان خاطر کے لیے خط کے ہمراہ ایک جداگانہ کاغذ پر اپنی مہرِ انگشتری ثبت کر کے بھجوائی تھی۔ عبدالستار کی تحریر کے مطابق وہ مہر یہ تھی: "اللهم صل علی النبی و الوصی و البتول والسجاد والصادق۔" مصنف مزید لکھتے ہیں کہ شاہ عباس کی مہرِ انگشتری میں بارہ اماموں میں سے بعض دیگر کے

نام بھی تھے۔ شاہ عباس کا جہانگیر کے نام یہ خط شبانہ مجلسوں میں صفوی بادشاہ کے مذہبی اعتقاد پر گفتگو کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ جہانگیر نے شاہ عباس کی مہر انگشتری کو غور سے دیکھ کر حاضرین سے کہا: ''اس میں امام حسین کا نام موجود نہیں۔ جب کہ اس گروہ (ایرانیوں) کے عقیدے کی بنیاد حسن اور حسین پر ہے۔'' اعتمادالدولہ بھی اس مجلس میں موجود تھا، اس نے جہانگیر کی رائے کی تائید کرتے ہوئے ضمناً یاد دہانی کروائی کہ یہ عبارت دراصل یوں ہے: ''اللھم صل علی النبی و الوصی والسبطین۔'' جہانگیر نے دوبارہ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''بے حد عجیب بات ہے کہ بادشاہ کی مہرِ انگشتری میں پیغمبر، علی مرتضی اور دیگر ائمہ کا نام تو ہو مگر حسن اور حسین کا نہ ہو[۲۶]۔'' یہ گفتگو جاری رہتی ہے۔ مصطفیٰ خان[۲۷] (م: ۱۶۳۳ء) اور ''بعض دیگر ایرانی غلام''، جنھیں مجلس میں لب کشائی کی اجازت تھی، کہنے لگے کہ مذکورہ نگینہ کسی شخص نے اس وقت کندہ کیا جب شاہ عباس ابھی شاہ زادہ تھا۔ جب وہ تخت نشیں ہو گیا تو بھی اس نے نگین کو بدخط اور ''کچھ غلط ہونے'' کے باوجود مبارک سمجھا اور اپنے پاس محفوظ رکھا۔ جہانگیر نے اس توجیہ کو ''معقول'' خیال نہ کیا اور کہا: ''شاہ [عباس] کے عقیدے کے پیش نظر تو کہا جا سکتا ہے کہ جس نگینے پر حسن و حسین کا نام کندہ نہ ہو، بادشاہ اسے منحوس اور نامبارک سمجھے۔''

پھر فیصلہ ہوا کہ خان خانان[۲۸] (م: ۱۶۲۶ء) کو ''خاص عدسہ'' دیا جائے تاکہ وہ ''چار آنکھوں'' سے [عینک لگا کر] مہرِ انگشتری کا بخوبی ملاحظہ کرے، شاید کوئی اطمینان بخش جواب مل جائے۔ خان خانان نے یہ کام انجام دیا لیکن اس کی تحقیق کے نتیجے میں بھی نہ صرف یہ مشکل حل نہ ہوئی بلکہ ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا، کیونکہ اس نے جہانگیر سے کہا کہ اس مہر میں ''عسکری کا نام بھی نہیں ہے۔'' اس گفتگو کے اختتام پر جہانگیر کی طرف سے سوال پوچھا گیا: شاہ عباس پڑھنا لکھنا جانتا ہے یا نہیں؟ اعتمادالدولہ اور دیانت خان[۲۹] نامی ایک درباری نے نفی میں جواب دیتے ہوئے کہا ''یہی وجہ ہے کہ ان کے نگینے پر ابھی تک یہ نقش موجود ہے[۳۰]۔''

اگرچہ جہانگیر نے یہ جواب بھی قبول نہ کیا۔ یہ تمام بحث اس وقت قابلِ توجہ سمجھی جائے گی جب ہم یہ فرض کر لیں کہ گفتگوئیں واقعتاً یوں ہی ہوئیں۔ اس حصے میں ایران اور ''ایران زمین''[۳۱] کا ذکر اور اس کے بادشاہ کو ''دارائے ایران''[۳۲] کہا جانا اہم ہے۔اس موضوع کا زیر بحث آنا اور اس پر گفتگو ہندی دربار اور صفویوں کی ظاہری و مخفی رقابت کی عکاس ہے۔

ب: مجالس جہانگیری میں ذکرِ ایران پر مشتمل دوسرے حصے میں ایک طرح کے ایرانی احساسات کا بیان ہے۔ یہ احساس عموماً جہانگیر کے ایرانی درباریوں کی جانب سے ظاہر ہوتا ہے۔ جہانگیر کے عہد میں، بالخصوص اس کی سلطنت کے اواخر میں، امورِ سلطنت کی باگ ڈور تین اہم ایرانی النسل افراد یعنی جہانگیر کی چہیتی ملکہ نور جہان بیگم[۳۳] (م: ۱۶۴۵ء)،

اعتمادالدولہ اور اس کے بھائی کے ہاتھ میں تھی۔ اگرچہ عام طور پر ایرانی ہونے کا یہ احساس علی الاعلان ظاہر نہیں کیا جاتا تھا بلکہ عملاً آشکار ہوتا تھا، لیکن بعض مقامات پر درباری منصبوں پر فائز کچھ افراد اپنے ایرانی النسل ہونے پر زور دیتے تھے۔ مثال کے طور پر، محمد قلی بیگ ایرانی ''جو ابھی ابھی گیپوں کے جرگے میں شامل ہوئے تھے''، ''کیونکہ میں ایرانی ہوں''[۳۴] کہہ کر اپنے اس امتیاز و تفاخر کا اظہار کرتے تھے۔ ایران اور ایرانیوں کے متعلق ایسے احساسات ان مجالس میں بیان ہوئے ہیں: ۹۷، ۹۵، ۸۳، ۸۲، ۸۰، ۷۱، ۸۸، ۵۴، ۵۳، ۵۱، ۲۲، ۲۱، ۱۶، ۹، ۸، ۴۔

مجالس جہانگیری کے قابلِ اعتنا مضامین میں سے ایک مسیحی-اسلامی مناظرے ہیں جسے ایرانی اصطلاح میں ردیہ نویسی کہا جاتا ہے۔ مجالس میں اس موضوع پر جو اشارے ملتے ہیں، وہ اسلام کے خلاف پرتگالی کیتھولک عیسائی پادریوں کی جدوجہد اور مسیحیت کی تبلیغ کا نقطۂ آغاز ہے۔ اس کتاب کی چند مجالس مسیحی-اسلامی مناظروں پر بحث کے متعلق ہیں، جن میں سے اکثر مناظروں میں زیویئر (Xavier) نامی ایک سرگرم پادری موجود ہے۔ اس کتاب میں اس پادری کا نام زیرونیموشویر لکھا گیا ہے جو بلا شبہ اس نام کا ہندی تلفظ ہے۔ دیگر محققین نے اس نام کو گزاویہ، خاویر، زاویہ، زیوئیر، شاویر یا شویر لکھا ہے[۳۵]۔

گویا زیوییٔر کا خاندان مسیحیت کی تبلیغ میں بہت سرگرم تھا اور اکبری عہد کی مخصوص مذہبی فضا کے باعث انھیں اپنے افکار کی آزادانہ تبلیغ کے مواقع میسر تھے۔ مجالس جہانگیری میں اسے فرانسیس زیوئیر[۳۶] (م: ۱۵۵۲ء) کا بھتیجا کہا گیا ہے لیکن حائری[۳۷] نے اس کی کتاب آینۂ حق نما کے خطی نسخے سے یہ نام زیر و نیمو شاویر نقل کیا ہے جو شاید وہی جروم زیوئیر Jerome Xavier یا Hieronymo Xavier ہے[۳۸]۔

جروم زیوئیر سے قبل، فرانسیس زیوئیر مسیحیت کی تبلیغ کرنے ہندوستان آیا تھا[۳۹]۔ اس کے بعد جروم ہندوستان آیا اور اسے جہانگیر کے دربار میں رسائی حاصل ہوگئی۔ یہی وہ شخص ہے جو مجالس میں مغربی پادری کے طور پر موجود ہے اور مسیحیت کا دفاع کرتا دکھائی دیتا ہے۔ مؤلفِ مجالس کی تحریر سے گمان ہوتا ہے کہ وہ مذکورہ پادری کا رفیق رہا ہے اور اس مذہب کے متعلق بھی معلومات رکھتا ہے۔ جروم نے اس دور میں مسیحیت کے دفاع اور اسلام کے رد میں اپنی کتاب آینۂ حق نما فارسی زبان میں تحریر کی اور جہانگیر کو پیش کی۔ دربارِ جہانگیر میں اس کتاب پر مفصل بحث کا ذکر مجالس جہانگیری میں آیا ہے۔

عبدالستار ۲۷ صفر، ۱۰۱۹ھ بمطابق ۲۱ مئی ۱۶۱۰ء کو بپا ہونے والی چودھویں مجلس میں زیوییٔر کے متعلق ایک بحث لائے ہیں۔ گمان ہوتا ہے کہ اس بحث میں درج یہ خصوصی معلومات زیوییٔر کی کتاب کے متعلق ہیں کیونکہ اس کے نیچے جہانگیر کو

کتاب پیش کیے جانے کی تاریخ تفصیلاً درج ہے۔ مذکورہ تاریخ کو جسے عبدالستار نے جزئیات کے ساتھ یوں لکھا ہے ''اتوار کی شب، رات کا ایک پہر گزر چکا تھا۔۔''، جہانگیر نے اسے طلب کیا۔ جب عبدالستار مجلس میں داخل ہوا، ''ہر مذہب اور عقیدے کے عقلی ونقلی علوم کے ماہر، مسلمان، عیسائی، ہندو برہمن اور الہیات، طبیعیات، ریاضی اورعلم ہندسہ کے رموز جاننے والے حکما'' اور علمائے تاریخ کو مجلس میں حاضر دیکھا۔ اسی مجلس میں زیرونیموشویر [زیویئر] پادری جوفرنگی دانشوروں کا سربراہ تھا ''دیگر علما کے ساتھ مذہبی مناظرے میں سرگرم تھا'' عبدالستار کے بقول ''رات کے وقت فرنگی پادری نے ایک ضخیم کتاب، مقدس نظر سے گزاری اور یہ کہتے ہوئے پیش کی کہ میں نے پورے بارہ سال اس کی تالیف میں دن رات ایک کیے ہیں اور اپنے دین کی حقیقت کے اثبات میں یہ کتاب لکھی ہے۔'' کتاب کی پیشکش کے نتیجے میں مناظرہ برپا ہوگیا جس میں وہاں موجود علما نے پادری کی جانب سے بیان کردہ عقائد کے رد میں گفتگو کی۔ بحث کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہانگیر اس بارے میں علما کے استدلال سے مطمئن نہیں ہوا اور آخرکاراس نے عبدالستار کو پادری سے مناظرہ کرنے کے لیے کہا۔ عبدالستار کی مسیحی عقائد سے آگہی کا درجہ اسی بحث سے عیاں ہوتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پادریوں سے قدیم روابط تھے اور وہ ان کے عقائد سیکھتا رہا تھا۔ مناظرے کے انجام کی پیش بینی کی جا سکتی ہے۔ عبدالستار پادری پر غالب آ گیا اور اس کے باطل عقائد کی حقیقت آشکار کردی۔

جروم زیویئر اپنی کتاب کے مقدمے میں جہانگیر کی خوشامد کرتے ہوئے اسے ''بادشاہِ جہان مطاع'' کا لقب دیتا ہے۔ کتاب کے مباحث ایک ''پادری'' اور ''مسلمان ملا'' کے درمیان گفتگو کی صورت میں پیش کیے گئے ہیں جس کے اختتام پر مسلمان ملا، پادری کی باتوں اور استدلال پر سرتسلیم خم کردیتا اور اقرار کرتا ہے کہ ''اب میں اپنی بازی ہار گیا اور میں نے ہتھیار ڈال دیے اور اپنے ظاہری و باطنی اختیار کی کلید آپ کے دستِ تصرف کے سپرد کر دی اور خود کو مسیحیوں کے دائرہ کار میں شامل کر لیا اور انجیل کا پیروکار بن گیا[۳۰]۔'' اگرچہ عملی طور پر مختلف مسیحی فرقوں کے پادریوں کا بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ وہ ان خیالات کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے تھے۔

اگرچہ مجالس جہانگیری کے مباحث سے ظاہر ہے کہ زیویئر کے نظریات کو فوری طور پر دربارِ جہانگیر کے علما کی تنقید کا سامنا کرنا پڑا اور چند مجالس میں مسیحی-اسلامی مناظروں کا تذکرہ بھی ہوا ہے لیکن آینۂ حق نما پر علمائے ہند کے کسی تحریری ردعمل کا کوئی ذکر مجالس جہانگیری میں نہیں ملتا۔ ہم جانتے ہیں کہ اس کتاب پر علمائے اصفہان کی طرف سے سنجیدہ علمی ردعمل سامنے آیا۔ جہانگیر نے اس کتاب کا ایک نسخہ شاہ عباس اول کو بھجوایا۔ صفوی دربار میں اس کتاب کی

شہرت کے بعد اس دور کے ایک عالم سید احمد علوی عاملی[۴۱] (م: ۱۶۵۰ء)، جو محقق کرکی (۱۴۶۱ - ۱۵۳۴ء) کے پوتے تھے، نے اس کی تردید میں ایک کتاب لکھی۔ حائری کے مطابق اس تردیدی کتاب کا نام مصقل صفا در تجلیہ آیینہ حق نما در تثلیث نصارا[۴۲] تھا۔ حائری نے اس کتاب کا تفصیلی جائزہ لے کر رائے دی ہے کہ تردید لکھنے والے علما کو مسیحی تبلیغ اور پرتگالی استعماری حکومت کے درمیان رابطے کا علم نہ تھا چنانچہ انھوں نے اس سے متعلق کچھ نہیں لکھا[۴۳]۔

اس کے باوجود میراث مکتوب، تہران، سے شائع ہونے والی کتاب اسناد پادریان کرملی (۱۳۸۳ش/۲۰۰۴ء) میں کئی مسیحی-اسلامی مناظروں کی روداد درج ہے جو صفوی دربار کے اس مسئلے سے کسی حد تک آگاہ ہونے کا ثبوت ہے۔ مجالس جہانگیری میں اس موضوع پر مذکورہ مباحث اسلامی مذہبی شدت کی عکاس ہیں لیکن ہندوستان میں موجود فرنگیوں کی طرف جہانگیری دربار کا رویہ انھیں درپیش خطرے سے غفلت کی نشان دہی کرتا ہے۔

اس کتاب کی موجودہ اشاعت کے متعلق کچھ نکات کی نشان دہی لازمی ہے۔ گمان ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر کوئی بحث یا عبارت کسی توضیح کے بغیر حذف کر دی گئی ہے[۴۴]۔ کچھ معمولی چھپائی کی غلطیاں بھی موجود ہیں۔ مثال کے طور پر صفحہ ۱۴۳ کی آخری سطر میں ''الاہ اکبر'' کے بجائے ''اللہ اکبر'' ہونا چاہیے۔ یا صفحہ ۱۷۳ پر ''ای رباعی'' کو ''این رباعی'' لکھنا چاہیے۔ صفحہ ۳۳۶ کے حاشیے میں اسداللہ سورن ملکیان شیروانی کو دو لوگوں کا نام قرار دیا گیا ہے جبکہ یہ ایک ہی شخص کا نام ہے۔ مجالس کی ترتیب میں نویں اور دسویں مجلس بے ترتیب ہو گئی ہے۔ سولھویں اور بیسویں دونوں مجلسوں کی تاریخ ماہ ربیع الاول کی آخری شب لکھی گئی ہے۔ کتاب کے ضمیمے میں کچھ اہم تصاویر دی گئی ہیں۔ شاید بہتر ہوتا کہ جہانگیر اور شاہ عباس اول کی تصویر کے ساتھ یہ توضیح لکھی جاتی کہ مذکورہ تصویر خیالی[۴۵] ہے کیونکہ ان دونوں کی کبھی باہم ملاقات نہیں ہوئی۔

حواشی و حوالہ جات

* پروفیسر، شعبۂ تاریخ، تہران یونیورسٹی، تہران۔

** (پ:۱۹۸۸ء) اسسٹنٹ پروفیسر، گرمانی مرکز زبان و ادب، لمز، لاہور۔

۱۔ مجالسِ جہانگیری واحد دریافت شدہ نسخے کی بنیاد پر عارف نوشاہی اور معین نظامی کی تدوین و تحقیق سے ۲۰۰۶ء میں مرکز پژوہشی میراث مکتوب، تہران، سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کو ۲۰۰۶ء ہی میں ایرانی تنظیم سازمانِ اسناد و کتابخانۂ ملی جمہوری اسلامی ایران کی جانب سے اعزاز سے نوازا گیا۔ مجالس جہانگیری پر متعدد ایرانی اور مغربی تحقیقی جرائد میں مقالات شائع ہو چکے ہیں۔

۲۔ عبدالستار بن قاسم لاہوری اکبری اور جہانگیری عہد کے ماہرِ مسیحیت مؤلف اور مترجم تھے۔ ان کے والد قاسم لاہوری کے متعلق گمان ہے کہ وہ تاریخ فرشتہ کے مؤلف محمد قاسم فرشتہ (م:۱۶۲۰ء) ہیں۔ عبدالستار نے اکبر کے حکم پر پرتگالی زبان سیکھی اور کئی مغربی کتب کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ عبدالستار جہانگیری عہد میں درباری مجالس کی روداد نویسی پر مامور تھے اور ان کا شمار جہانگیر کے قابل اعتماد امرا میں ہوتا تھا۔ ان کی اہم تصانیف میں ثمرات الفلاسفہ، احوال فرنگستان، تذکرۃ الحکما اور خلاصۂ ظفرنامۂ یزدی وغیرہ شامل ہیں۔

دیکھیے: حسین کشتلی برزگر، ''عبدالستار لاہوری'' مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی: ادب فارسی در شبہ قارہ، بہ سرپرستی حسن انوشہ، (تہران: سازمان چاپ و انتشارات وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، ۱۳۸۰ ش)، ج ۴، ۲/ ۱۷۰۱۔

نبی ہادی، Dictionary of Indo-Persian Literature (نئی دہلی: ابھی ناو پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)، ۲۸۔

۳۔ جروم زیوئیر (Jerome Xavier_۱۵۴۹ ء_۱۶۱۷ء) مشہور عیسائی پادری فرانسس زیویئر (م: ۱۵۲۲ء) کے خاندان سے تھے۔ زیویئر مسیحی مشنری کے طور پر ۱۵۸۱ء میں لزبن، پرتگال، سے ہندوستان کے شہر گوا میں آ کر آباد ہوئے۔ زیویئر کو ۱۵۹۴ء میں مغل دربار تک رسائی حاصل ہوئی اور وہ بیس سال تک اکبری اور جہانگیری دربار کے مقربین میں شامل رہے۔ انھوں نے فارسی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے بعد اکبر کے حکم پر مسیحی مذہب کے متعلق اپنی تحریر کردہ کئی پرتگالی کتب کا عبدالستار لاہوری کی مدد سے فارسی زبان میں ترجمہ کیا، جیسا کہ مرآت القدس اور داستان احوال حواریان۔ زیویئر کی دیگر اہم فارسی تالیفات میں آینۂ حق نما اور آداب سلطنت شامل ہیں۔ زیویئر کی زندگی پر اولین تحقیق فرانسیسی محقق کیمپس آرنولف نے ۱۹۵۷ء میں شائع کی۔

دیکھیے: حسین کشتلی برزگر، ''گزاویہ، ژرونیمو'' مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی، بہ سرپرستی حسن انوشہ، ج ۴/ ۳، ۲۱۰۴۔ ۲۱۰۵۔

آرنلف کیمپس [Arnulf Camps]، *Jerome Xavier S. J. and the Muslims of the Mogul Empire: Controversial Works and Missionary Activity* (فرائبرگ: سینٹ پالز پریس، ۱۹۵۷)۔

نبی ہادی، Dictionary of Indo-Persian Literature، ۶۲۲۔

سٹیفن نیل [Stephen Neill]، *History of Christianity in India*، ۱۸۰- ۱۸۵۔

۴۔ آئنۂ حق نما اکبری اور جہانگیری دربار سے وابستہ پرتگالی عیسائی پادری جروم زیوئیر (۱۵۴۹ ء۔ ۱۶۱۷ء) نے ۱۶۰۹ء میں تالیف کرنے کے بعد جہانگیر کو پیش کی۔ یہ کتاب اسلام پر مسیحیت کی برتری کے حق میں تحریر کی گئی ہے اور درج ذیل پانچ ابواب پر مشتمل ہے: اول انسانوں کے لیے دینِ خدا کی ضرورت، دوم خدا کے متعلق عیسائی مذہب کی تعلیمات، سوم عیسیٰ کی خدائی، چہارم انجیل اور اسلامی احکامات کا موازنہ، پنجم عیسائی مذہب کے حق میں ملنے والے دلائل اور دیگر ادیان پر اس کی برتری۔ زیویئر نے منتخب آئنۂ حق نما کے عنوان سے اسی کتاب کی تلخیص مرتب کی جس کا ایک نسخہ جہانگیر نے شاہ عباس صفوی اول (م:۱۶۲۹ء) کو بھجوایا۔ مذکورہ کتاب کے جواب میں اس دور کے صف اول کے اصفہانی عالم دین احمد علوی عاملی نے ۱۶۲۲ء میں مصقل صفا در تجلیہ و تصفیۂ آینۂ حق نما کے عنوان سے کتاب تحریر کی۔ مغربی دنیا میں یونیورسٹی آف کیمبرج کے پروفیسر

سیموئیل لی نے *Controversial Tracts on Christianity and Mohammedanism* میں آئینہ حق نما پر تحقیق کی۔

دیکھیے: حسین کشتلی برزگر، ''گزاویہ، ژرونیمو''مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی، بہ سرپرستی حسن انوشہ، ج ۴ / ۳، ۲۱۰۴۔ ۲۱۰۵۔

سٹیفن نیل [Stephen Neill]، *History of Christianity in India* (کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۲ء)، ۱ / ۱۸۳-۱۸۴، ۴۰۴-۴۰۵۔

۵۔ ابوالفضل علامی (۱۵۵۱ء - ۱۶۰۲ء) اکبری عہد کے اہم ترین ادیب، مؤلف اور تاریخ نویس تھے۔ ابوالفضل کو ان کے برادر ملک الشعرا فیضی (م:۱۵۹۵ء) کے توسط سے ۱۵۷۴ء میں دربارِ اکبری میں رسائی حاصل ہوئی اور وہ اپنی بے پناہ ذہانت و استعداد کے باعث اعلیٰ ترین دیوانی عہدوں اور مناصب پر فائز رہے۔ انھوں نے اکبر کی مذہبی اور سیاسی حکمت عملی کی تشکیل میں کلیدی کردار کیا۔ ابوالفضل فارسی زبان کے بے مثل صاحب اسلوب نثر نگار ہیں، ان کے اہم تاریخی اور ادبی تصانیف میں اکبر نامہ، آئین اکبری، انشای ابوالفضل یا مکاتبات علامی، مجمع اللغات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ رسالۂ مناجات، کشکول (مجموعۂ حکایات) بھی ان سے منسوب ہیں۔ انھوں نے بعض کتب کا سنسکرت، عربی اور دیگر زبانوں سے فارسی میں ترجمہ کیا جن میں ''عیار دانش'' کے عنوان سے کلیلہ و دمنہ کا عربی سے فارسی ترجمہ اہمیت کا حامل ہے۔ ابوالفضل مہا بھارت کے فارسی ترجمے اور تاریخی الفی کی تدوین میں بھی شامل رہے۔ ابوالفضل کو شہزادہ سلیم کے حکم پر راجہ بیر سنگھ نے قتل کیا جس کا تذکرہ تزک جہانگیری میں بھی موجود ہے۔

دیکھیے: حسین کشتلی برزگر، ''ابوالفضل علامی''، مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی، ج ۴ / ۱، ۷۶-۷۸۔

ابن مبارک ابوالفضل، *The Ain i Akbari*، مرتبہ: ایچ بلوچ مین [H. Blochmann] (فرینکفرٹ: یوہان ولفگانگ گوئٹھے یونیورسٹی، ۱۹۹۳)، ۱۷-۱۸، ۲۵-۲۶، ۳۰-۳۱۔

نبی ہادی، *Dictionary of Indo-Persian Literature*، ۱۲۲۔

۶۔ مجالس المؤمنین اکبری عہد کے قاضی القضات اور شیعہ عالم دین قاضی نوراللہ شوشتری (م: ۱۶۱۰ء) کی تالیف ہے۔ یہ کتاب آغاز اسلام سے صفوی عہد تک کے اکابر اہل تشیع علما، حکما، ادبا، عرفا اور شعرا کا تذکرہ ہے۔ مجالس المؤمنین کے مندرجات میں ایک مقدمہ، بارہ مجالس اور اختتامیہ شامل ہے۔ مجالس کی تفصیل یوں ہے: مجلس اول، ائمہؑ سے متعلق بعض اماک کا ذکر؛ مجلس دوم، اہل تشیع قبائل کا ذکر؛ مجلس سوم، اکابر اہل تشیع کے دو قبائل کا ذکر: قبیلۂ اول، بنی ہاشم کے مشاہیر اور قبیلۂ دوم، غیر بنی ہاشم اہل تشیع؛ مجلس چہارم، ذکرِ تابعین؛ مجلس پنجم، تبع تابعین میں سے بعض متکلمین، مفسرین، محدثین، فقہا، مجتہدین، اعیان قراء اور اہل نحو و لغت کا ذکر؛ مجلس ششم، اکابر صوفیہ کی جماعت کا ذکر؛ مجلس ہفتم، حکمائے اسلام کے مشاہیر اور معروف متکلمین کا ذکر؛ مجلس ہشتم، ملوک و سلاطین کا ذکر؛ مجلس نہم، امرا اور سپہ سالاروں کا ذکر؛ مجلس دہم، وزرائے عظام کا ذکر؛ مجلس یازدہم، عرب شعرا کا ذکر؛ مجلس دوازدہم، عجمی شعرا کا ذکر۔ مجالس المؤمنین متعدد بار ایران سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مواقف المؤمنین کے عنوان سید محمد بشیر (الہ آباد، ۱۹۲۳ء) نے کیا۔ ایک اور اردو ترجمہ نا معلوم مترجم (آگرہ، ۱۹۱۴ء) کی جانب سے مجالس المؤمنین کے عنوان سے کیا گیا۔

دیکھیے: جواد شریفی، مجالس المؤمنین، مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی، ج ۴ / ۳، ۲۱۷۴- ۲۱۷۵۔

۷۔ قاضی سید نور اللہ شوشتری (م: ۱۶۱۰ء) شیعہ فقیہ، متکلم، محدث اور شاعر تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سید شریف کے زیر سایہ شوشتر، ایران، میں حاصل کی اور ۱۵۸۴ء میں ہندوستان ہجرت کر گئے۔ انھیں ابوالفتح گیلانی (م: ۱۵۸۸ء) کے توسط سے دربارِ اکبری میں رسائی حاصل ہوئی۔ اکبر نے انھیں انعام و اکرام سے نوازا اور بالآخر قاضی القضات کے عہدے پر فائز کیا۔ جہانگیری عہد کے بعض علما کی مخالفت کے نتیجے میں قاضی نوراللہ شاہی عتاب کا شکار ہوئے۔ جہانگیر کے حکم پر قاضی نوراللہ کو تازیانے لگائے گئے اور وہ اس سزا کی تاب نہ لاتے ہوئے وفات پا گئے۔ قاضی نور اللہ کی تحریر کردہ کتب و

رسائل کی تعداد سو کے قریب بیان کی گئی ہے۔ ان کی اہم تالیفات میں مجالس المؤمنین اور احقاق الحق قابل ذکر ہیں۔
دیکھیے: اختر رسولی، قاضی نور اللہ شوشتری، مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی، ج ۴/ ۳، ۲۶۱۲-۲۶۱۳۔
نبی ہادی، Dictionary of Indo-Persian Literature، ۴۷۶-۴۷۷۔

۸۔ عبدالستار لاہوری، مجالس جہانگیری، مجلس ہای شبانۂ دربار نورالدین جہانگیر از ۲۴ رجب ۱۰۱۷ھ تا ۱۹ رمضان ۱۰۲۰ھ ق، تصحیح، مقدمہ اور تعلیقات: عارف نوشاہی و معین نظامی، (تہران: مرکز پژوہشی میراث مکتوب، ۱۳۸۵ش)، ۳۴۔

۹۔ محمد شریف معتمد خان (م: ۱۶۳۹ء) جہانگیری عہد کے ایرانی النسل درباری اور تاریخ نگار تھے۔وہ جہانگیری دربار کی وقایع نویسی پر مامور تھے اور جہانگیر نامہ کے ۱۶۲۱ء سے ۱۶۲۳ء تک کے واقعات بھی جہانگیر کے حکم پر معتمد خان نے تحریر کیے۔ انھیں شاہ جہانی دربار میں بھی عزت و احترام حاصل رہا۔ معتمد خان کی تحریر کردہ معروف کتاب اقبال نامۂ جہانگیری امیر تیمور (م: ۱۴۰۵ء) سے لے کر جہانگیری عہد تک کے واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔
دیکھیے: حسین کشتلی برزگر، ''معتمد خان''، مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی، ج ۴/ ۳، ۲۳۸۷۔
نبی ہادی، *Dictionary of Indo-Persian Literature*، ۴۴۳۔

۱۰۔ عبدالستار لاہوری، مجالس جہانگیری، ۴۳۔

۱۱۔ آفتاب اصغر، تاریخ نویسی فارسی در ہندو پاکستان، (لاہور: مرکز تحقیقات فارسی، ۱۹۸۵ء)، ۲۱۳-۲۲۰۔

۱۲۔ جہانگیر نامہ یا تزک جہانگیری، شہنشاہ ابوالمظفر نورالدین محمد جہانگیر (م: ۱۶۲۷ء) کی فارسی خود نوشت ہے جس میں انھوں نے اپنے سالِ تخت نشینی یعنی ۱۶۰۵ء سے لے کر ۱۶۲۱ء تک کے حالات و واقعات قلمبند کیے ہیں۔ جہانگیر کی بیماری کے باعث ۱۶۲۱ء سے ۱۶۲۳ء تک کے واقعات معتمد خان (م: ۱۶۳۹ء) نے تحریر کیے اور بعد میں میر محمد ہادی نامی ایک مؤلف نے اس کتاب میں سلطنت جہانگیر کے آخری چار سالوں کی روداد کا اضافہ کیا۔ یہ کتاب جہانگیری عہد کی درباری، سیاسی، ادبی اور ثقافتی زندگی پر اہم ترین دستاویز تصور کی جاتی ہے۔ جہانگیر نامہ کی اولین اشاعت ''تزک جہانگیری'' کے عنوان سے ۱۸۶۴ء میں علی گڑھ سے ہوئی۔ کئی مشرقی اور مغربی زبانوں میں اس کتاب کے تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا پہلا مکمل انگریزی ترجمہ *Memoirs of Jahangir* کے عنوان سے الیگزینڈر راجرز نے ۱۹۰۹ء میں رایل ایشیاٹک سوسائٹی لندن سے شائع کیا۔ جہانگیر نامہ کا اردو ترجمہ اعجاز الحق قدوسی نے ۱۹۶۴ء میں مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کیا۔
دیکھیے: حمیدہ حجتی، ''جہانگیر نامہ''، مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی، ج ۴/ ۱، ۹۰۶-۹۰۷۔
نورالدین محمد جہانگیر، *The Jahangirnama: Memoirs of Jahangir, Emperor of India*، مترجم: ویلر تھیکسٹن (نیو یارک: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۹ء)، ix-x۔

۱۳۔ اعتمادالدولہ میرزا غیاث بیگ تہرانی (م: ۱۶۲۲ء) اکبری عہد میں کابل کے خزانہ دار اور جہانگیری عہد میں وزیر اعظم سلطنت کے عہدے پر فائز رہے۔ اعتمادالدولہ خواجہ محمد شریف تہرانی، شاہ طہماسپ (م: ۱۵۷۶ء) کے درباری اور وزیرِ اصفہان، کے فرزند تھے اور ۱۵۷۶ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد مع اہل و عیال ہندوستان آ کر آباد ہو گئے۔ غیاث بیگ کو ۱۵۷۷ء میں اکبر کی طرف سے سیصدی منصب دیا گیا اور جلد ہی کابل کے خزانچی مقرر ہوئے۔ ۱۵۹۶ء میں منصب ہفت صدی اور دیوانِ بیوتات عطا ہوا۔ اگرچہ غیاث بیگ کو اکبری عہد میں بھی اعزاز و اکرام حاصل رہا البتہ جہانگیری عہد میں ان کی صاحبزادی مہرالنسا بیگم کے جہانگیر سے عقد کے بعد انھیں اعلیٰ ترین دیوانی عہدوں سے نوازا گیا جن میں وزارت عظمیٰ، چھ ہزاری منصب اور پرچم و نقارہ شامل ہے۔ اعتمادالدولہ کا مزار آگرہ، ہندوستان میں ہے۔
دیکھیے: صمصام الدولہ/ شاہنواز خان، مآثر الامرا، مترجم: پروفیسر محمد ایوب قادری (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۸ء)، ۱/ ۱۳۵-۱۴۱۔

ایلیسن بینکس فنڈ لی، *Nur Jahan: Empress of Mughal India* (نئی دہلی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۳)، ۸-۱۳۔

۱۴۔ خان اعظم مرزا عزیز کوکہ(م: ۱۶۲۴ء) اکبر کے وزیر اعظم، شمس الدین محمد خان اتکہ اور دائی انگہ کے فرزند تھے۔ رضاعی برادر ہونے کے ناطے اکبر بادشاہ خان اعظم کا خاص احترام کرتے تھے۔ خان اعظم کو ۱۵۷۲ء میں گجرات اور بعد میں بہار اور مالوا کا گورنر مقرر کیا گیا۔ انھوں نے فتح قلعۂ گوالیار سمیت کئی اہم فوجی مہمات میں حصہ لیا۔ وہ جہانگیر کے دربار سے بھی وابستہ رہے البتہ شہزادہ خسرو کی جہانگیر سے بغاوت کے بعد جسے خان اعظم کے ایما پر محمول کیا گیا، ان کی پہلے جیسی سیاسی قدر و منزلت برقرار نہ رہ سکی۔ خان اعظم خطاطی میں مہارت رکھتے تھے اور کبھی کبھار شعر بھی کہتے تھے۔

دیکھیے: صمصام الدولہ، مآثر الامرا، ۱/ ۶۷۱-۶۸۹۔

ابن مبارک ابوالفضل، *The Ain i Akbari*، ۲۸۲۔

رادھے شیام، *The Kingdom of Ahmadnagar* (دہلی: موتی لال بنارسی داس، ۱۹۶۶ء)، ۱۸۰-۱۸۱۔

۱۵۔ عبدالستار لاہوری، مجالس جہانگیری، ۴۳۔

۱۶۔ ایضاً، ۱۸۴، ۲۰۱۔

۱۷۔ ایضاً، ۱۹۹۔

۱۸۔ ایضاً، ۱۸۸۔

۱۹۔ ایضاً، ۱۷۸، ۲۱۱۔

۲۰۔ ایضاً، ۲۲۳، ۲۹۳۔

۲۱۔ ایضاً، ۲۱۲۔

۲۲۔ ایضاً، ۲۵۵۔

۲۳۔ ایضاً، ۲۱۲۔

۲۴۔ نصر اللہ فلسفی لکھتا ہے کہ شاہ عباس نے قندھار پر دوبارہ تسلط کے بعد جہانگیر کو بذات خود ایک خط لکھا۔

دیکھیے: نصر اللہ فلسفی، زندگانی شاہ عباس اول، جلد ۴ اور ۵، طبع پنجم، (تہران: علمی، ۱۳۷۱ش)، ۴۰۵۔

۲۵۔ عبدالستار لاہوری، مجالس جہانگیری، ۱۹۳۔

یہاں پر مصنف یہ بھی لکھتا ہے کہ شاہ عباس کا سفیر جہانگیر کے دربار کی ابدی شان و شوکت اور آں جناب کی بلند بخت وضع داری کی تمکنت دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

۲۶۔ عبدالستار لاہوری، مجالس جہانگیری، ۱۹۴۔

۲۷۔ مصطفی خان (م: ۱۶۳۳ء) سے مراد شاید مصطفی بیگ ترکمان خان ہیں جو جہانگیری عہد کے امرا میں سے تھے۔ یہ شاہجہانی دربار سے بھی وابستہ رہے اور مختلف فوجی مہمات میں حصہ لیا۔ ان کی وفات ۱۶۳۳ء میں ہوئی۔

دیکھیے: صمصام الدولہ، مآثر الامرا، ۳/ ۳۲۶-۳۲۷۔

۲۸۔ مرزا عبدالرحیم خان خانان (۱۵۵۶-۱۶۲۶ء) ہمایوں بادشاہ (م: ۱۵۵۶ء) کے مصاحب اور سپہ سالار بیرم خان (م: ۱۵۶۱ء) کے لائق فرزند تھے۔ بیرم خان کے قتل کے بعد ۱۵۶۱ء میں کم سن عبدالرحیم کو اکبر کے حکم پر مغل دربار میں لایا گیا۔ اکبر نے ان کی تربیت و پرورش پر خصوصی توجہ دی۔ عبدالرحیم نے جن علما کے زیر نگرانی ابتدائی تعلیم حاصل کی ان میں ملا محمد اندجانی کا ذکر ملتا ہے۔ ان کی شادی خان اعظم مرزا عزیز کوکہ کی بہن ماہ بانو (م: ۱۵۹۷ء) سے ہوئی۔ عبدالرحیم کے چار فرزند مرزا ایرج (۱۵۸۵ء-۱۶۱۹ء)، داراب خان (۱۵۸۶ء-۱۶۲۴ء)، مرزا قارن (۱۵۸۹ء- ۱۵۹۹ء)

اور مرزا رحمان داد (۱۶۰۰ء – ۱۶۱۹ء) تھے ۔ مورخین نے ان کی تین بیٹیوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے دو جاناں بیگم اور خیرالنسا تھیں جبکہ تیسری کا نام معلوم نہیں۔ عبدالرحیم ۱۵۸۲ء میں شہزادہ سلیم کے اتالیق مقرر ہوئے۔ انھوں نے کئی اہم فوجی مہمات میں اپنی جنگجویانہ مہارت کا مظاہرہ کیا جن میں گجرات، سندھ اور دکن کی مہمات قابل ذکر ہیں۔ بہادر سپاہی ہونے کے ساتھ علم وفضل میں بھی یکتائے زمانہ تھے۔ عربی، فارسی، ہندی، ترکی اور سنسکرت کے ماہر تھے اور ان زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کے ہندی شعری مجموعوں میں معروف ترین دوہا والی، دوہوں کا مجموعہ ہے۔ البتہ سیاسی و انتظامی مصروفیات کے باعث اپنا دیوان مرتب نہ کر سکے۔ عبدالرحیم نے کئی مقامی لہجوں اور زبانوں میں بھی شعر کہے جیسا کہ کھڑی بولی، برج بھاشا اور ڈنگل ۔ عبدالرحیم پرتگالی سمیت بعض یورپی زبانیں بھی جانتے تھے۔ انھوں نے ۱۵۹۰ء میں اکبر کے حکم پر تزک بابری کا ترکی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ ایرانی، وسطی ایشیائی اور مقامی شعرا اور ادبا کی بھرپور سرپرستی کرتے ۔ شکیبی اصفہانی، نظیری نیشاپوری، ملا نورالدین ظہوری، ملا ملک قمی، یل قلی بیگ انیسی، مولانا کامی سبزواری، عبدالباقی نہاوندی، فریدالدین، تلسی داس، کوی گنگ وغیرہ ان کے دربار سے وابستہ بعض اہم ادبی شخصیات میں شامل ہیں۔

دیکھیے: صمصام الدولہ، مآثر الامرا، ۱/ ۶۸۹-۷۰۸۔

سی آر نائیک، *'Abdu'r-Raḥīm Khān-I-Khānān and his literary circle* (احمدآباد: گجرات یونیورسٹی، ۱۹۶۶ء)، ۲۹، ۳۳، ۳۵-۴۴، ۵۷، ۲۳۱-۲۳۳، ۲۳۵، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۸۰، ۲۸۴، ۳۱۳، ۳۳۲، ۳۴۲، ۳۸۲، ۴۴۳، ۴۴۵، ۴۶۶، ۴۷۶۔

نبی ہادی، *Dictionary of Indo-Persian Literature*، ۳۰۶-۳۰۷۔

۲۹۔ دیانت خان قاسم بیگ جہانگیر کے امرا میں سے تھے۔ اپنی قابلیت اور حاضر باشی کے باعث بادشاہ کے مزاج میں کافی دخیل تھے۔ البتہ اعتمادالدولہ سے اظہار بغض کے نتیجے میں جہانگیر کے حکم پر انھیں قلعہ گوالیار میں قید کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد اعتمادالدولہ ہی کی سفارش پر رہائی ملی۔ جہانگیر کے گیارہویں جلوس پر انھیں دیوانی خدمات سے معزول کر کے شاہزادہ خرم کے ساتھ دکن کی مہم پر روانہ کیا گیا۔ ان کے تفصیلی حالات اور سال وفات معلوم نہیں۔

دیکھیے: صمصام الدولہ، مآثر الامرا، ۲/ ۸-۹۔

۳۰۔ عبدالستار لاہوری، مجالس جہانگیری، ۱۹۴۔

البتہ جہانگیر نے اس جواب کو بھی قابلِ اعتنا نہ سمجھا اور کہا ''اگر انھوں نے خود کچھ پڑھ نہیں رکھا تھا تو کیا ان کے گرد و پیش میں بھی کوئی انھیں آگاہ کرنے والا موجود نہیں! یہ بات بھی ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی''۔

۳۱۔ ایضاً ۱۶-۱۷، ۴۳۔

۳۲۔ ایضاً ۱۲۸۔

۳۳۔ نور جہاں بیگم (۱۵۷۷ء-۱۶۴۵ء) مہر النسا، جہانگیر کے وزیر اعظم اعتماد الدولہ مرزا غیاث بیگ کی بیٹی اور شاہ جہاں کے وزیر اعظم ابوالحسن آصف خان (م: ۱۶۴۱ء) کی بہن تھیں۔ ابتدا میں مہر النساء کا نکاح ایک ترک سپاہی شیر افگن کے ساتھ ہوا لیکن ۱۶۰۷ء میں اسے قتل کر دیا گیا جس کے بعد مہرالنسا آگرہ کے شاہی حرم میں داخل ہو گئیں۔ ۱۶۱۱ ء میں جہانگیر اور مہرالنسا کی پہلی ملاقات ہوئی اور چند ہی ماہ بعد ان کا نکاح ہو گیا۔ اس وقت مہرالنسا کی عمر تیس برس سے زائد تھی اور گذشتہ شوہر سے ایک اولاد بھی تھی۔ مہرالنسا نے ملکہ نور جہاں کی حیثیت سے بہت جلد عملی طور پر سلطنت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لی۔ یہاں تک کہ سکوں پر جہانگیر کے ساتھ نور جہاں کا نام کندہ کیا جانے لگا اور شاہی فرامین پر بھی ان کے دستخط لازم قرار پائے۔ مگر شاہ جہاں کی مخالفت کے باعث امور سلطنت پر نور جہاں بیگم کی گرفت کمزور پڑنے لگی ۔ یہاں تک کہ ۱۶۲۷ء میں جہانگیر کی وفات کے بعد انھیں آگرہ چھوڑ کر لاہور جانا پڑا جہاں وہ تا دمِ مرگ قیام پذیر رہیں، ان کا مقبرہ بھی لاہور ہی میں ہے ۔ نور جہاں اپنی طبع موزوں، ذوق سلیم، سخن فہمی اور شعر گوئی کے حوالے سے مغلیہ دور حکومت کی دیگر تمام خواتین میں نمایاں مقام کی حامل ہیں۔

دیکھیے: حمیدہ حجتی، ''نور جہاں بیگم''، مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی، ج ۴/ ۱، ۲۶۱۴-۲۶۱۷۔
ایلیسن بینکس فِنڈ لی[Ellison Banks Findly]، *Nur Jahan: Empress of Mughal India*، ۳-۶۔
نبی ہادی، *Dictionary of Indo-Persian Literature*، ۴۷۱-۴۷۲۔

۳۴۔ عبدالستار لاہوری، مجالس جہانگیری، ۱۳۶۔

۳۵۔ عبدالہادی حائری، نخستین رویارویی ہای اندیشہ گران ایران با دو رویہ تمدن بورژوازی غرب، (تہران: امیر کبیر، ۱۳۶۷ش)، ۴۷۱، ۵۰۲۔

۳۶۔ سینٹ فرانسس زیوئیر (St. Francis Xavier۔ ۱۵۰۶ء۔ ۱۵۵۲ء) نویرا سپیس میں پیدا ہوا اور جزیرہ شانگون، چین میں فوت ہوا۔ ہندوستان میں عیسائی مشنریوں کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ فرانسیس زیویئر ۱۵۳۷ء میں پادری بننے کے بعد کنگ جان سوم (م: ۱۵۵۷ء) کے کہنے پر ۱۵۴۰ء میں روم سے گوا آیا۔ اس نے انڈیا کے جنوبی ساحلوں پر تبلیغ کی اور بیس ہزار کے قریب لوگوں کو عیسائی بنایا۔ اس نے تامل سیکھی اور گاؤں گاؤں عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا۔ گوا میں ہی اس نے عیسائی تبلیغی مرکز میں تعلیم دینا شروع کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تبلیغ سے ہزاروں لوگ عیسائی ہوئے۔
دیکھیے: رابرٹ ایل بریلے[Robert L. Bireley]، *St. Francis Xavier*، مشمولہ: 3، *Encyclopædia Britannica*، ۱۳اپریل ۲۰۲۰، Encyclopædia Britannica, Inc. ۔www.britannica.com/biography/Saint-Francis-Xavier ۔ ۲۸ مئی ۲۰۲۰ء۔
سٹیفن نیل [Stephen Neill]، *History of Christianity in India*، ۱/ ۱۳۵-۱۳۹۔

۳۷۔ عبدالہادی حائری(۱۸۹۶-۱۹۵۳ء) ایرانی مورخ، اخبار نویس اور تاریخ کے استاد تھے۔ انھوں نے فارسی ادب میں کینیڈا سے پی ایچ ڈی کی اور دوران تحصیل فارسی کے استاد بھی رہے۔ اس کے بعد فردوسی یونیورسٹی، مشہد میں شعبۂ ادبیات و علوم انسانی سے وابستہ ہوئے۔ ان کی تصانیف میں تشیع و مشروطیت در ایران و نقش ایرانیان مقیم عراق، نخستین رویارویی ہای اندیشہ گران ایران: با دو رویہ تمدن بورژوازی غرب، تاریخ الحرکات و النشاطات الماسونیہ فی العالم الاسلامی وغیرہ شامل ہیں۔
دیکھیے: حجت فلاح توتکار، زندگی، آثار و اندیشہ ہای تاریخ نگارانۂ دکتر عبدالہادی حائری (تہران: پژوہشکدہ تاریخ اسلام، ۱۳۹۴ش)۔

۳۸۔ عبدالہادی حائری، نخستین رویارویی ہای اندیشہ گران ایران با دو رویہ تمدن بورژوازی غرب، ۵۰۲۔

۳۹۔ ایضاً، ۴۷۱۔

۴۰۔ ایضاً، ۴۷۲-۴۷۳۔

۴۱۔ سید احمد علوی (م: ۱۶۴۴ء-۱۶۵۰ء) بن زین العابدین علوی عاملی اصفہانی، حکیم، متکلم، محدث، مفسرِ شفائے ابنِ سینا اور مکتبِ فلسفۂ اصفہان کے اکابر میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے شیخ نور الدین علی کرکی، شیخ بہائی اور میر داماد کی خدمت میں رہ کر فلسفہ، فقہ، حدیث، تفسیر اور دیگر معارف اسلامی کی تعلیم حاصل کی۔ سید احمد کو عبرانی زبان پر عبور حاصل تھا اور وہ تورات و انجیل سے گہری آشنائی رکھتے تھے۔ انھوں نے اسلام کے دفاع، رسالت محمدیہ کے اثبات اور مخالفین اسلام کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کے جواب میں کئی کتب تحریر کیں۔ سترہویں صدی عیسویں میں جب بعض عیسائی مبلغین نے اسلام مخالف کتب نویسی کا ایک سلسلہ شروع کیا تو سید علوی نے علمی محاذ پر ان کا بھرپور مقابلہ کیا۔ فلسفہ، کلام، دیگر معارف اسلامی اور انجیل پر مکمل دسترس کے باعث انھوں نے اسلام مخالف اعتراضات کے جواب میں مؤثر کتب تحریر کیں جن میں مصقل صفا، لوامع ربانی، صواعق الرحمان اور لطائف غیبیہ شامل ہیں۔ علاوہ بر ایں، سید علوی نے عربی اور فارسی زبان میں متعدد کتب اور رسائل تحریر کیے ہیں جن میں کحل الابصار، حواشی بر اشارات ابن سینا، مفتاح الشفا، حواشی بر الٰہیات شفائے ابن سینا بالخصوص قابل ذکر ہیں۔

دیکھیے: صمد موحد، ''احمد علوی''، مشمولہ: دائرہ المعارف بزرگ اسلامی، زیر نظر کاظم موسوی بجنوردی (تہران: مرکز دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ۱۳۷۷ ش)، ۷/ ۷۲-۷۵۔

۴۲۔ مصقل صفا در نقد کلام مسیحیت میر سید احمد علوی عاملی کی تالیف ہے۔ یہ کتاب جروم زیویئر کی تالیف آئینہ حق نما پر تنقید اور اس کا رد ہے۔ مصقل صفا ۱۳۷۳ ش میں قم، ایران، سے حامد ناجی کی تصحیح اور مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کی دریافت پروفیسر ہنری کربن (۱۹۰۳ء-۱۹۷۸ء) نے کی چنانچہ کتاب پر ان کی تقریظ بھی موجود ہے اور مقدمے میں اس کی تاریخ اور اہمیت پر ان کا لیکچر بھی شامل کیا گیا ہے۔ متن کی تین فصول ہیں۔ پہلی فصل مسئلہ تثلیث و الوہیت پر ہے۔ دوسری فصل میں وفات اور رفع مسیح کے مسئلے پر بحث ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے متعلق بشارتوں پر بحث کی گئی ہے۔ تیسری فصل میں انجیل کی عبارات کے تضاد اور اختلاف پر بات کی گئی ہے۔ کتاب کے اختتام پر مصنف نے خاتمیت نبی اکرم کی بحث کی ہے۔ ان سبھی تفاصیل میں آئینہ حق نما کے محتویات کو زیر بحث لایا گیا ہے اور مناظراتی انداز میں دلائل دیے گئے ہیں۔

دیکھیے: میر سید احمد علوی، مصقل صفا، بہ تصحیح حامد ناجی اصفہانی، (قم: امیر ۱۳۷۳ ش)۔

عبدالہادی حائری، نخستین رویارویی ہای اندیشہ گران ایران با دو رویہ تمدن بورژوازی غرب، ۴۸۱-۴۸۴۔

۴۳۔ جہانگیر کی شاہ عباس اول سے ملاقات کا یہ خیالی عکس ابوالحسن نامی مصور نے ۱۶۱۸ء میں بنایا۔ یہ عکس فری گیلری آف آرٹ، سمتھ سونین انسٹی ٹیوٹ، واشنگٹن، میں محفوظ ہے۔

دیکھیے: نورالدین محمد جہانگیر، *The Jahangirnama: Memoirs of Jahangir, Emperor of India*، ۲۔

مآخذ

ابوالفضل، ابن مبارک۔ *The Ain i Akbari*۔ مرتبہ: ایچ بلوچ مین [H. Blochmann]۔ فرینکفرٹ: یوہان وولفگانگ گوئٹھے یونیورسٹی، ۱۹۹۳۔

اصغر، آفتاب۔ تاریخ نویسی فارسی در ہند و پاکستان (طبع اول)۔ لاہور: مرکز تحقیقات فارسی، ۱۹۸۵ء۔

برزگر، حسین کشتلی۔ ''ابو الفضل علامی''۔ مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی: ادب فارسی در شبہ قارہ (جلد ۴: ادب فارسی در شبہ قارہ)۔ بہ سرپرستی حسن انوشہ۔ تہران: سازمان چاپ و انتشارات وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، ۱۳۸۰ ش۔ ۷۶-۷۸۔

______۔ ''عبدالستار لاہوری''۔ مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی (جلد ۴: ادب فارسی در شبہ قارہ)۔ بہ سرپرستی حسن انوشہ۔ تہران: سازمان چاپ و انتشارات وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، ۱۳۸۰ ش۔ ۱۷۰۱۔

______۔ ''گزاویہ، ژرونیمو''۔ مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی (جلد ۴: ادب فارسی در شبہ قارہ)۔ بہ سرپرستی حسن انوشہ۔ تہران: سازمان چاپ و انتشارات وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، ۱۳۸۰ ش۔ ۲۱۰۴-۲۱۰۵۔

______۔ ''معتمد خان''۔ مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی (جلد ۴: ادب فارسی در شبہ قارہ)۔ بہ سرپرستی حسن انوشہ۔ تہران: سازمان چاپ و انتشارات وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، ۱۳۸۰ ش۔ ۲۳۸۷۔

بریلے، رابرٹ ایل [Bireley, Robert L.]۔ ''*St. Francis Xavier*''۔ مشمولہ: *Encyclopædia Britannica*۔ ۱۳ اپریل ۲۰۲۰۔ Encyclopædia Britannica, Inc.۔ www.britannica.com/biography/Saint-Francis-Xavier۔ ۲۸ مئی ۲۰۲۰ء۔

توکلی، حجت فلاح۔ زندگی، آثار و اندیشہ ہای تاریخ نگارانۂ دکتر عبدالہادی حائری۔ تہران: پژوہشکدہ تاریخ اسلام، ۱۳۹۴ ش۔

جہانگیر، نورالدین محمد۔ *The Jahangirnama: Memoirs of Jahangir, Emperor of India*۔ مترجم: ویلر تھیکسٹن۔ نیو یارک: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۹ء۔

حائری، عبدالہادی۔ نخستین رویارویی ہای اندیشہ گران ایران با دو رویہ تمدن بورژوازی غرب۔ تہران: امیر کبیر، ۱۳۶۷ ش۔

حجتی، حمیدہ۔ ''جہانگیر نامہ''۔ مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی (جلد ۴: ادب فارسی در شبہ قارہ)۔ بہ سرپرستی حسن انوشہ۔ تہران: سازمان چاپ و انتشارات وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، ۱۳۸۰ ش۔ ۹۰۶-۹۰۷۔

رسولی، اختر۔ ''قاضی نور اللہ شوشتری''، مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی (جلد ۴: ادب فارسی در شبہ قارہ)۔ بہ سرپرستی حسن انوشہ۔ تہران: سازمان چاپ و انتشارات وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، ۱۳۸۰ ش۔ ۲۶۱۲-۲۶۱۳۔

شریفی، جواد۔ ''مجالس المؤمنین''۔ مشمولہ: دانشنامہ ادب فارسی (جلد ۴: ادب فارسی در شبہ قارہ)۔ بہ سرپرستی حسن انوشہ۔ تہران: سازمان چاپ و انتشارات وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، ۱۳۸۰ ش)۔ ۲۱۷۴-۲۱۷۵۔

شیام، رادھے۔ *The Kingdom of Ahmadnagar*۔ دہلی: موتی لال بنارسی داس، ۱۹۶۶ء۔

صمصام الدولہ/ خان، شاہنواز۔ مآثر الامرا (جلد ۱)۔ مترجم: پروفیسر محمد ایوب قادری۔ لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۸ء۔

علوی، میر سید احمد، مصقل صفا۔ بہ تصحیح حامد ناجی اصفہانی۔ قم: امیر ۱۳۷۳ ش۔

فلسفی، نصر اللہ۔ زندگانی شاہ عباس اول۔ (جلد ۴ اور ۵، طبع پنجم)۔ تہران: علمی، ۱۳۷۱ ش۔

فِنڈلی، ایلیسن بینکس [Findly, Ellison Banks]۔ *Nur Jahan: Empress of Mughal India*۔ نئی دہلی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۳۔

کیمپس، آرنلف [Camps, Arnulf]۔ *Jerome Xavier S. J. and the Muslims of the Mogul Empire: Controversial Works and Missionary Activity*۔ فرائبرگ: سینٹ پالز پریس، ۱۹۵۷۔

موحد، صمد، ''احمد علوی''، مشمولہ: دائرہ المعارف بزرگ اسلامی (جلد ۷)۔ زیر نظر کاظم موسوی بجنوردی۔ تہران: مرکز دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ۱۳۷۷ ش۔ ۷۲-۷۵۔

نائیک، سی آر [Naik, C. R.]۔ *'Abdu'r-Raḥīm Khān-I-Khānān and his literary circle*۔ احمد آباد: گجرات یونیورسٹی، ۱۹۶۶ء۔

نیل، سٹیفن [Neill, Stephen]۔ *History of Christianity in India*۔ کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۲ء۔

ہادی، نبی۔ Dictionary of Indo-Persian Literature۔ نئی دہلی: ابھی ناو پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء۔